© rasailojaraid.com

فکر اقبال میں اجتہاد کی اہمیت

ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی

علامہ اقبالؒ نے اپنے وقت میں فقہی جمود پر تنقید کی اور اجتہاد پر بڑا زور دیا۔ اس کے ساتھ وہ محکومی کے دور میں ملت کی وحدت کو باقی رکھنے کے لیے تقلید کی اہمیت کو بھی محسوس کرتے ہیں۔ اب حالات میں تغیر آ چکا ہے۔ اس وقت کم از کم یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے کہ اجتہاد ہونا چاہیے یا نہیں؟۔ اجتہاد کی ضرورت ایک طرح سے تسلیم شدہ ہے۔ عالم اسلام میں نئے مسائل پر غور وفکر بھی ہو رہا ہے۔ انفرادی کوشش کے ساتھ اجتماعی کوششیں بھی جاری ہیں۔ اس کے نتائج بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ اجتہاد کا ایک متعین دائرہ ہے۔ اسی دائرہ میں اجتہاد ہو سکتا ہے۔ اس کے کچھ حدود و قیود اور شرائط ہیں، ان کی پابندی لازمی ہے۔ پیشِ نظر مضمون میں قرآن و حدیث سے استدلال، فقہی کوششوں اور اس نوعیت کے دوسرے مسائل پر علامہ اقبال کے خیالات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان سب سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ ان کے مزید تجزیہ و تحلیل کی ضرورت ہے۔ (جلال الدین)

علامہ اقبالؒ کو ایسے دور کا سامنا کرنا پڑا جب مسلمانانِ عالم ہر حیثیت سے انحطاط اور پستی میں گرتے جا رہے تھے اور دین اسلام کے حیات بخش اور روح پرور نظام سے ان پر مایوسی طاری تھی۔ مغرب کی ظاہری چمک دمک اور جاہ وحشمت سے مرعوب ہو کر اسلام کی مختلف خود ساختہ تاویلات کرنے میں منہمک تھے۔ ان حالات میں اقبال کے تبحّر علم و بصیرت نے جہاں مغربی تہذیب و تمدن کی بنیادی کمزوریوں اور کھوکھلے پن کو بے نقاب کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہیں اسلام کی آفاقی حقیقتوں کو نمایاں کرنے میں ملت کی صحیح رہبری کا فریضہ بھی بحسن وخوبی انجام دیا۔ اس دور کی ایک ہلکی تصویر کھینچتے ہوئے پروفیسر سید عبداللہ نے فکرِ اقبال کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا ہے: ''یہ بات تو طے شدہ ہے کہ علامہ اقبال جدید دور کے اجتماعی و معاشرتی مسائل کے بارے میں، جو گذشتہ تین چار صدیوں کی مغربی تحریکوں کے زیر اثر ہر شعبۂ فکر وعمل میں پیدا ہو چکے تھے اور ایک مختلف قسم کی ایکالوجی (Ecology) اور سوشیالوجی (Socilogy) سے نمودار ہوئے ہیں، اسلام کی رائے جاننے اور پیش کرنے کی ضرورت کا گہرا احساس رکھتے تھے۔''[۱]

دراصل علامہ اقبال کی اجتہادی فکر ۱۹۰۴ء ہی سے بیدار ہوگئی تھی اور انہوں نے ملت کی زبوں حالی کو دیکھ کر انہی دنوں ''قومی آواز'' کے عنوان سے اپنا تحقیقی مضمون ''مخزن'' میں شایع کرایا تھا۔ اُس مضمون میں انہوں نے دنیا کی دیگر اقوام کی ترقی کے ذکر کے ساتھ اپنے دور کے مسلم معاشرے پر بھرپور تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر اس اعتبار سے مسلمانوں کو دیکھا جائے تو ان کی حالت نہایت مخدوش نظر آتی ہے۔ یہ بدقسمت قوم حکومت کھو بیٹھی ہے، تجارت کھو بیٹھی ہے، صنعت کھو بیٹھی ہے، اب وقت کے تقاضوں سے غافل اور افلاس کی تیز تلوار سے مجروح ہوکر ایک بے معنی توکل کا عصا ٹیکے کھڑی ہے اور باتیں تو خیر، ابھی تک اُن کے نزاعوں کا ہی فیصلہ نہیں ہوا۔ آئے دن ایک نیا فرقہ پیدا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو جنت کا وارث سمجھ کر باقی تمام نوع انسانی کو جہنم کا ایندھن قرار دیتا ہے۔ غرض یہ کہ ان فرقہ آرائیوں نے خیر الامم کی جمعیت کو کچھ ایسی بری طرح منتشر کر دیا ہے کہ اتحاد و یگانگت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ......تمدن کی یہ صورت کہ لڑکیاں ناتعلیم یافتہ، نوجوان جاہل، روزگار ان کو نہیں ملتا، صنعت سے گھبراتے ہیں، حرفت کو یہ عار سمجھتے ہیں۔ مقدمات نکاح کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ جُرم کی مقدار روز افزوں ہے۔ یہ بڑا نازک وقت ہے اور سوائے اس کے کہ تمام قوم متفقہ طور پر اپنے دل دماغ کی اصلاح کی طرح اپنی توجہ کرے، کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دنیا میں کوئی بڑا کام سعئ بلیغ کے بغیر ممکن نہیں، یہاں تک کہ اللہ بھی کسی قوم کی حالت نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدلتا، جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت خود نہ بدلے"۔[۲]

اس سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ علامہ اقبال ابتدا ہی سے مسلمانوں میں اصلاح تمدن کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہے تھے اور اصلاحِ تمدن اُن کے خیال کے مطابق اُسی وقت ممکن ہے جب فقہ اسلامی میں اصلاح کی جائے۔ اسی ضرورت کا شدت سے اظہار وہ اپنے مختلف مضامین اور مکتوبات میں بار بار کرتے رہے ہیں۔ دراصل ان کے نزدیک احیائے اسلام کے لیے تمدن کا احیاء بھی لازم ہے۔ ۱۹۰۴ء کے متذکرہ بالا مضمون (قومی آواز) میں رقم طراز ہیں:

"مسلمانوں میں اصلاحِ تمدن کا سوال دراصل ایک مذہبی سوال ہے، کیوں کہ اسلامی تمدن اصل میں مذہب اسلام کی عملی صورت کا نام ہے اور ہماری تمدنی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اصول مذہب سے جدا ہو سکتا ہے۔ میرا یہ منصب نہیں کہ میں اس اہم مسئلے پر مذہبی اعتبار سے گفتگو کروں، تاہم میں اس قدر کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ حالاتِ زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب آ جانے کی وجہ سے بعض ایسی تمدنی ضروریات پیدا ہو گئی ہیں کہ فقہاء کے استدلال، جن کے مجموعے کو عام طور پر شریعتِ اسلامی کہا جاتا ہے، ایک نظر ثانی کی محتاج ہیں۔ میرا یہ عندیہ نہیں کہ مسلماتِ مذہب میں کوئی نقص ہے جس کے سبب سے وہ ہماری موجودہ تمدنی ضروریات پر حاوی نہیں، بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ قرآنِ شریف اور احادیث کے وسیع اصول کی بنا پر جو استدلال فقہاء نے وقتاً فوقتاً کیے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو خاص زمانوں کے لیے واقعی مناسب اور قابل عمل تھے، مگر حال کی ضروریات پر کافی طور پر حاوی نہیں ہیں...... اگر موجودہ حالاتِ زندگی پر غور کیا جائے تو جس طرح اس وقت ہمیں تائید اصولِ مذہب کے لیے ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے اسی طرح قانونِ اسلام کی جدید تفسیر کے لیے ایک بہت بڑے فقیہ کی ضرورت ہے جس کے قوائے عقلیہ و متخیلہ کا پیمانہ اس قدر وسیع ہو کہ وہ مسلّمات کی بنا پر قانون اسلامی کو نہ صرف ایک جدید پیرائے میں مرتّب و منظّم کر سکے، بلکہ تخیل کے زور سے اصول کو ایسی وسعت دے سکے جو حال کے تمدنی تقاضوں کی تمام ممکن صورتوں پر حاوی ہو۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا میں اب تک کوئی بھی عالی دماغ مقنّن پیدا نہیں ہوا اور اگر اس بات کی اہمیت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام شاید ایک سے زیادہ دماغوں کا ہے اور اس کی تکمیل کے لیے کم از کم ایک صدی کی ضرورت ہے۔''[۳]

۱۹۰۵ء ہی میں آپ ملّت مسلمہ کو بیدار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے، لہٰذا اب آپسی رسہ کشی اور جوڑ توڑ کی سیاست چھوڑ کر دور جدید کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے یک جٹ ہو کر آگے کی طرف گامزن ہو جایئے۔ مسلمانوں کو دور جدید کے مختلف خطرات سے باخبر کرتے ہوئے ایک جگہ یوں اُن سے مخاطب ہیں:

"Islam is one and indivisible,it brooks no distinctions in it. There are no Wahabies, Shias and Sunnies in Islam. Fight is not for the interpretation of the truth, when the truth itself is in danger. it is foolish to complain of stumbling when you walk in the darkness of night. Let all come farward and contribute their respective shares in the great toil of the nation. Let the idols of class distinctions and sectarianism be smashed forever; Let the Musalmans of the country be once more united into the great vital whole."[۴]

اقبالؒ کے اسی پیغام اتحاد و اتفاق کی بازگشت ''پیام مشرق'' کے دیباچہ میں بھی سنائی دیتی ہے، جس میں وہ کہتے ہیں:

''اس وقت دنیا میں اور ممالک مشرق میں ایسی کوشش، جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قومی انسانی سیرت کی تجدید یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تولید ہو، لائق احترام ہے‘‘۔

گویا علامہ اقبال دور جدید کے مقتضیات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ملّت مسلمہ کی شیرازہ بندی کرنا بھی ایک اہم سنگِ میل جانتے ہیں۔ اس سلسلے میں اُس وقت کا تعلیمی ڈھانچہ بھی جدید اسلوب میں ڈھالنے کا ارادہ رکھتے ہوئے اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ تمام بکھری ہوئی تعلیمی قوتوں کو اکٹھا کر کے انہیں جدید سائنٹِفک اصولوں پر استوار کیا جائے۔ ۱۹۱۰ء میں اس موضوع کو زیر بحث لاتے ہوئے اسٹریچی ہال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ’’ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر‘‘ کے تحت لیکچر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’ہندوستان میں اسلامی یونیورسٹی کا قیام ایک اور لحاظ سے بھی نہایت ضروری ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہماری قوم کے عوام کی اخلاقی تربیت کا کام ایسے علماء اور واعظ انجام دے رہے ہیں جو اس خدمت کی انجام دہی کے لیے پوری طرح سے اہل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان کا مَبلَغ علم اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم کے متعلق نہایت ہی محدود ہے۔ اخلاق اور مذہب کے اصول وفروع کی تلقین کے لیے موجودہ زمانے کے واعظ کو تاریخ، اقتصادیات اور عمرانیات کے حقائق عظیمہ سے آشنا ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے ادب اور تخیل میں پوری طرح دست رس رکھنی چاہیے۔ الندوہ، علی گڑھ کالج، مدرسۂ دیو بند اور اس قسم کے دوسرے مدارس، جو الگ الگ کام کر رہے ہیں، اس بڑی ضرورت کو رفع نہیں کر سکتے۔ ان تمام بکھری ہوئی تعلیمی قوتوں کی شیرازہ بندی کے لیے ایک وسیع اغراض کا مرکزی دارالعلوم ہونا چاہیے جہاں افرادِ قوم نہ صرف خاص قابلیتوں کو نشو ونما دینے کا موقع حاصل کر سکیں، بلکہ تہذیب کا وہ اسلوب یا سانچہ بھی تیار کیا جا سکے جس میں موجودہ زمانہ کے ہندوستانی مسلمان کا ڈھلنا ضروری ہے‘‘۔ ۵؎

اس عظیم ملّی جذبہ کے تحت آپ نے متعدد خطوط اپنے دور کے مشہور عالم دین مولانا سیّد سلیمان ندوی کے نام رقم کیے۔ ایک خط میں انہیں لکھتے ہیں:

’’زمانۂ حال کے جورس پروڈنس (Jurisprodence) کی روشنی میں اسلامی معاملات (یعنی مسائل متعلقہ معاملات) کا مطالعہ کیا جائے، مگر غلامانہ انداز میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں، بلکہ ناقدانہ انداز میں۔ یونان کا فلسفہ ایک زمانے میں انسانی علوم کی انتہا تصور کیا گیا، مگر جب مسلمانوں میں تنقید کا مادہ پیدا ہوا تو انہوں نے اسی فلسفے کے ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا۔ اس عصر میں ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے''۔

دراصل عصر حاضر کی اجتماعی تحریکات کو دیکھ کر علامہ کے دل میں یہ خیال روز بروز مستحکم ہوتا چلا گیا کہ اس وقت اسلام کے نظامِ عمرانی کی تشریح و توضیح کی اشد ضرورت ہے۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ 'فکر اسلامی کی تشکیل جدید' (The Reconstructiion of Religious thought in Islam) کی طرح 'تشکیل فقہ جدید' پر بھی، قرآن مجید نے ان مسائل کی جس طرح راہنمائی کی ہے، اس کی روشنی میں قلم اٹھائیں۔ اس غرض سے انہوں نے یورپ اور مصر کی بعض مطبوعات بھی فراہم کرنا شروع کر دی تھیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی تصنیف کا کام استقصائے مسائل، ترتیب مقدمات اور تقسیم مباحث سے آگے نہ بڑھ سکا۔ محمد اقبال سلمانی نے اُن کے کتب خانے کی نسبت لکھا ہے کہ اس میں جامع ازہر قاہرہ کی بہت سی عربی کتابیں بھی تھیں، جن کی مدد سے وہ اسلامی اصولِ فقہ کی تجدید کے عنوان سے ایک مہتم بالشان تصنیف کا آغاز کر چکے تھے، مگر افسوس کہ فرشتۂ اجل نے ان کو اس کام کی تکمیل کی مہلت نہ دی۔

اقبالؒ کے نزدیک فقہ اسلامی کی تدوینِ جدید عہدِ حاضر کی اہم ترین ضرورت تھی۔ اس بارے میں وہ مولانا سید سلیمان ندوی سے ایک جگہ یوں مخاطب ہیں:

''اس وقت سخت ضرورت ہے اس بات کی کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے۔ اگر شبلی زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا۔ اب آپ سے درخواست ہے کہ اس کام کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لیجیے، تاکہ اقوام اسلامیہ کو فقہ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو سکے''۔

بیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں میں دنیائے اسلام میں کچھ انقلابی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی تھیں۔ احیاءِ اجتہاد اور اصلاحی تحریکوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ مسلمان صدیوں کی غفلت سے بیدار ہو رہے تھے۔ لہٰذا اس دور انقلاب میں عالمِ اسلام کی بے سروسامانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باوجود علامہ کا وجدان انہیں بتا رہا تھا کہ اَب غلامی کی شب تار چھٹنے والی ہے اور غلامی کی زنجیریں کٹنے والی ہیں۔ اس لیے وہ پورے یقین اور اعتماد سے یہ کہتے ہوئے پکار اٹھے ۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا
سفینۂ برگ گل بنا لے گا قافلہ مور ناتواں کا ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں ایک نظم بعنوان ''مسلم'' تحریر کرکے اسی پُر اُمید آہنگ کو دہراتے ہوئے کہا۔

قسمتِ عالم کا مسلم کوکبِ تابندہ ہے جس کی تابانی سے افسونِ سحر شرمندہ ہے
آشکارا ہیں میری آنکھوں پر اسرار حیات کہہ نہیں سکتے مجھے نومید پیکار حیات
کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے ہے بھروسا اپنی ملّت کے مقدر پر مجھے
یاد عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

نظم ''طلوعِ اسلام'' کے آخری بند کے اس شعر سے ایک بڑے راز سے پردہ اُٹھاتے ہوئے فرمایا۔

بہ مشتاقانِ حدیثِ خواجۂ بدر و حنین آور! تصرفہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد!

اقبال کی مومنانہ اور دور رس نگاہیں اس تصرف کو بالکل عیاں دیکھ رہی تھیں۔ گویا تین چیزیں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ ایک غلامی کے دور میں فقہی صورت حال کی علیٰ حالہٖ حفاظت (Status quo) اور اس میں کسی خاص اجتہاد سے اجتناب اور دوسری چیز عن قریب حاصل ہونے والی آزادی کی امید، تیسری چیز یہ کہ جب آزادی میسر ہو تو مسلمان معاشرے کا فرض ہوگا کہ اس وقت حسبِ تقاضائے عصر اپنے سرمایۂ فقہ کا از سر نو جائزہ لیں اور جرأت کے ساتھ پیش آمدہ امور معاشی و دینی و سیاسی کا حل تلاش کریں۔

علامہ اقبال دورِ غلامی و اضمحلال میں تقلید کو اولیٰ تر جانتے ہیں۔ ان ہی کے الفاظ ہیں: ''جیسا کہ سیاسی زوال کے زمانے میں فطری بات ہے۔'' اسلام کے قدامت پسند مفکرین نے مزید انتشار و افتراق سے بچنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف ایک نقطے پر مرکوز کر دیں کہ لوگوں کی سماجی زندگی کی یکسانیت کو قائم رکھنے کے لیے شریعت کے قوانین کو اسی شکل و شمائل میں محفوظ رکھا جائے جس طرح دورِ اول کے فقہاء نے اسے مرتب کیا تھا اور اس میں کسی قسم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اضافے کو سختی سے روکا جائے۔ کیوں کہ دورِ غلامی میں کسی پر بھروسہ کرنا محال ہے۔

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی　　جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا
بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر　　کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

انھوں نے اس دور میں (۱۹۱۷ء میں) مسلمانوں کی فرنگی تقلید کو دیکھ کر یہ اخذ کیا کہ آزادیٔ رائے ایک ایسی آزادروی اور اغیار کی فکری غلامی پیدا کر رہی ہے جس سے ملت میں انتشار و افتراق پیدا ہو رہا ہے۔ ناپختہ خیالات و افکار صرف زمانہ سازی اور ذاتی اغراض و مفادات کے لیے ظاہر کیے جا رہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ملت کی مرکزیت ختم ہو رہی ہے۔ انھی وجوہ کی بنا پر انھوں نے ایک صحیح الفکر مدبّر کی حیثیت سے اُس وقت یہی تجویز کیا کہ اس دورِ پُر آشوب میں تقلید ہی اجتہاد سے اولیٰ تر ہے۔ اسی فکر سے لب ریز ہو کر وہ ''رموزِ بے خودی'' میں ملّت مسلمہ سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

مضمحل گردد چو تکوین حیات　　ملّت از تقلید می گردد ثبات
راہ آباء رو کہ این جمعیت است　　معنیٔ تقلید ضبط ملّت است
نقش بردل معنی توحید کن　　چارۂ کار خود از تقلید کن
اجتہاد اندر زمانِ انحطاط　　قوم را برہم ہمیں گردد بساط
ز اجتہاد عالمان کم نظر　　اقتداء بر رفت گاں محفوظ تر

دراصل اس وقت کے ملکی و بین الاقوامی حالات کے مدّ نظر انھوں نے کم نظر عالموں کے اجتہاد کے معاملے میں تقلید کو مناسب سمجھا، مگر بعد میں جب فکر و نظر کا انقلاب وقوع پذیر ہوا اور ہر طرف سے امتِ مسلمہ کی آزادی اور بیداری کی لہریں ابھرنے لگیں تو اقبال نے اجتہاد کو دورِ حاضر کی اہم ترین ضرورت قرار دیا اور اِس موضوع پر ایک بلیغ خطبہ اسلامیہ کالج لاہور میں ۱۹۲۴ء میں دیا۔ یہ خطبہ انھوں نے انتہائی نازک موقع پر دیا تھا جب کہ تنسیخ خلافت کو ابھی صرف چھ ماہ ہوئے تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے تنسیخ خلافت کا صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ تحریک خلافت ابھی تک جاری تھی۔ ان حالات میں تنسیخ خلافت کی حمایت اور اسے اجتہادی فکر قرار دینا اقبال کی اولوالعزمی کا اظہار ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس خطبہ پر اگرچہ بعض سنجیدہ علمی حلقوں کی طرف سے ان کی زبردست تعریف کی گئی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن بعض قدامت پسند علماء کی جانب سے انھیں شدید تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ اقبال کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال کہتے ہیں:

''بعض قدامت پسند علماء اس میں (یعنی اقبال کے پیش کردہ خطبے میں) پیش کردہ خیالات پر معترض ہوئے۔ اقبال کے لیے غالباً یہ پہلا ایسا تجربہ تھا، کیوں کہ انھی ایام میں مولوی دیدار علی نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ اقبال نے اس کا برا مانا اور اپنے ردّ عمل کا اظہار کرتے ہوئے مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کو تحریر کیا: ''آپ نے ٹھیک فرمایا، پیشہ ور مولوی کا اثر سر سید احمد خان کی تحریک سے بہت کم ہوگیا تھا، مگر خلافت کمیٹی نے اپنے پولٹیکل فتووں کی خاطر ان کا اقتدار ہندی مسلمانوں میں پھر قائم کردیا۔ یہ ایک بڑی غلطی تھی جس کا احساس ابھی تک غالباً کسی کو نہیں ہوا۔ مجھ کو حال ہی میں اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کچھ مدّت ہوئی میں نے اجتہاد پر انگریزی میں ایک مضمون لکھا تھا جو یہاں ایک جلسے میں پڑھا گیا۔ انشاءاللہ شائع بھی ہوگا، مگر بعض لوگوں نے مجھے کافر کہا''۔ [۶]

قدامت پسند علماء کی مخالفت اور مخاصمت کے باوجود علامہ کے متذکرہ بالا اجتہادی خطبے کی بہت سے مسلم اکابرین کی طرف سے زبردست پذیرائی ہوئی۔ مولانا ظفر علی خان نے انہیں مشورہ دیا کہ یہ مقالہ اردو میں منتقل کیا جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان خیالات سے مستفید ہوسکیں۔ علامہ نے جواباً کہا کہ وہ خوشی سے اس کا ترجمہ کروانا چاہیں گے، بشرطیکہ خود مولانا ظفر علی خان یہ زحمت کریں، کیوں کہ وہی اس کا بہترین ترجمہ کرسکتے ہیں۔

دراصل علامہ اقبالؒ اجتہاد کی اہمیت سمجھتے ہوئے بھی حد درجہ احتیاط برت رہے تھے، خصوصاً آپ علمائے متقدمین کی مخالفت سے زبردست خائف تھے کہ کہیں اس مخالفت و مخاصمت سے ملتِ اسلامیہ مزید انتشار اور افتراق میں مبتلا نہ ہوجائے اور الٹا اثر نہ پڑے، راقم سطور نے ۲۰۰۰ء میں اس موضوع کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے اسے اپنے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کا موضوع بنایا جو اللہ کے فضل و کرم سے تکمیل کے بعد ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔ دورانِ تحقیق جب اس سلسلے میں میں نے بعض اہم مواد و مشوروں کے لیے علامہ اقبال کے صاحب زادے جسٹس جاوید اقبال صاحب کے نام ایک خط بھیجا تو موصوف نے میری حوصلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افزائی بھی فرمائی، مگر ساتھ ہی قدامت پسند علماء سے خبردار کرتے ہوئے جواباً تحریر فرمایا:

''آپ نے ڈاکٹری کی تحصیل کے لیے فلسفۂ اقبال میں اجتہاد کی اہمیت کا موضوع چنا ہے۔ نیک خیال ہے اور بڑا مشکل موضوع ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ پاکستان میں اس موضوع پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور نہ ہی کوئی کام ہوا ہے۔ علامہ کے نزدیک اجتہاد کی بڑی اہمیت ہے، لیکن انھوں نے اس موضوع پر مزید بحث نہیں کی ہے، بلکہ کہا ہے کہ یہ قوم بڑی قدامت پسند ہے، اس لیے اس موضوع پر بحث نہ کی جائے تو بہتر ہے''۔ ۷

علامہ نے اس موضوع پر جو زبردست خدمت انجام دی ہے اس پر ان کے سینکڑوں مکتوبات، خطبات، خصوصاً فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید شہادت دیتے ہیں۔ انگریزی خطبات یعنی "The Reconstruction of Religious thought in Islam" اس سلسلے میں نہایت اہمیت کی حامل کتاب گردانی جاتی ہے۔ خود جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کہتے ہیں:

''دنیائے اسلام کے بعض مدبّر اہلِ علم حضرات، جن سے مجھے کبھی تُرکی میں اور کبھی دمشق یا قاہرہ میں ملنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے، وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ کتاب اس قدر اہم ہے کہ گذشتہ تین سو سال میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی اور اس کی اہمیت روز بروز دنیائے اسلام میں بڑھتی جا رہی ہے''۔ ۸

اس کتاب میں اسلامی معاشرے کے ذیل میں قانونِ تغیر و حرکت پر نہایت بلیغ بحث کی گئی ہے۔ سات خطبات پر مشتمل اس کتاب میں اقبال "Spirit of Muslim culture" یعنی ''اسلامی ثقافت کی روح'' کے عنوان سے فرماتے ہیں کہ زمانہ ایک ارتقائی اور خلاقی قوت ہے، زندگی زمان و مکان سے عبارت اور مسلسل تخلیقی عمل ہے۔ سعی تخلیق و ارتقاء حرکت کے بغیر ناممکن ہے، اس لیے زندگی حرکت و انقلاب سے عبارت ہے۔ چونکہ موجودات کی ارتقاء یافتہ صورت انسان ہی ہے، اس لیے اس کے ممکناتِ ارتقاء بھی لامحدود ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال کے عقیدے کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے دنیا میں کفر و شرک کو مٹا کر انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلاتے ہوئے ایک اللہ کے سوا تمام معبودوں سے آزاد کرا دیا۔ توحید، وحدت امت اور حریت فکر و عمل کا درس دیا۔ اب کوئی بھی ہستی مافوق الفطرت دعویٰ کی بنا پر انسان کو اپنی اطاعت کے لیے مجبور نہیں کر سکتی ہے۔ قرآن و سنتِ رسول اکرم ﷺ کی لازوال اور ابدی ہدایت کے بعد انسان کو اب نہ کسی دوسری ہدایت کی ضرورت رہی اور نہ اب سلسلۂ انبیاء کی حاجت ہے، بلکہ یہی ذمہ داری اب ملت اسلامیہ کے کاندھوں پر آن پڑی ہے۔ اسرارِ خودی میں علامہ یہی پیغام سناتے ہوئے یوں نغمہ سنج ہیں۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را او رسل را ختم و ما اقوام را

اب خاتم النبیین کی جانشین کی حیثیت سے امتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی نوع انسانی کی قیادت و سیادت ہے اور یہ فرض اسے رہتی دنیا تک انجام دینا ہے۔ ری کانسٹرکشن آف اسلام میں اقبال اسی حقیقت کی بہترین اور مدلّل انداز میں ترجمانی کرتے ہوئے رسولِ رحمت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کی توجیہ اور اجتہاد کی افادیت کو یوں اُجاگر کرتے ہیں:

"Looking at the matter from this point of view, then the prophet of Islam seems to stand between the ancient and the modem world. in so far as the source of his revelation is concerned, he belongs to the ancient world, in so far as the spirit of his revelation is concerned, he belongs to the modern world ... The birth of Islam is the birth of Inductive intellect. In Islam prophecy reaches its perfection in discovering the need of its own abolition.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

This involves the keen perfection that life cannot forever be put in leading strings, that in order to achieve fullself consciousness, man must finally be thrown back on his own resources." ۹

علامہ اقبال کے خیال کے مطابق اسلام کی نمود عقلِ استقرائی کا ظہور ہے۔ شریعتِ محمدی ﷺ کی صورت میں رسالت محمدی ﷺ کی تکمیل ہوگئی۔ ختم رسالت سے اب یہی حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ زندگی اب تمام بندھنوں سے آزاد ہوگئی ہے۔ لہٰذا اپنی خودی کا اب مکمل شعور حاصل کرنے کے لیے انسان کو اپنے ذہنی وسائل پر اعتماد کرنے کا موقع میسّر آیا ہے۔ ختمِ نبوت کی علمی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اس سے صوفیانہ تجربات کے مطالعے کے لیے ایک آزاد تنقیدی نظر پیدا ہوگئی ہے اور یہ واضح ہوگیا ہے کہ اب کسی شخص کو مافوق الفطری اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر انسان کے باطن میں علم کے نئے نئے سوتوں کا سُراغ لگانے کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔ قدیم تہذیبوں کے برخلاف اسلام نے مظاہر فطرت کی الوہیت کا بطلان کر کے خارج میں مشاہدۂ کائنات کا تحقیقی وتنقیدی راستہ دکھایا ہے۔ اس لحاظ سے اب صوفیانہ تجربہ خواہ کتنا ہی غیر معمولی ہو، دیگر انسانی تجربات کی طرح اس کی بھی علمی جانچ پرکھ کی جائے گی۔

اسلام کے نظریۂ اجتہاد کو تاریخی اور جدید تقاضوں کے مطابق دیکھتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ اسلام کائنات کے بارے میں حرکی (Dynamic) نظریہ پیش کرتا ہے۔

"As a cultural movement, Islam rejects the old static view of the universe and reaches a dynamic view." ۱۰

''ساقی نامہ'' میں بھی کائنات کے حرکی تصور کے گُن گاتے ہوئے کہتے ہیں:

فریب نظر ہے سکون و ثبات ۔۔۔ تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود ۔۔۔ کہ ہر لحظہ تازہ ہے شانِ وجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

قرآن مجید کے الفاظ اور ان کی رُوح مستقل اور غیر متغیّر ہے، لیکن تعلیمِ قرآن جس میں یہ روح پنہاں ہے، ہر لحظہ حرکتِ تازہ کا تقاضا کرتی ہے۔

دمادم رواں ہے یمِ زندگی ہر اک سے پیدا رمِ زندگی

سائنس کا غائر مطالعہ بھی اس حقیقت کی پردہ کشائی کرتا ہے کہ کائنات حرکی (Dynamic) ہے۔ چنانچہ اقبالؔ کا مُلاّ پر طنز وطعن کا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ ان کی نظر میں اسلام کا غیر حقیقی Pseudo representative ہے۔ کیوں کہ وہ غور وفکر اور تدبر سے کام نہیں لیتا اور اسلام کی حرکیت کو نظر انداز کرتا ہے۔ حالاں کہ قرآن بار بار غور و فکر، تدبر اور تعقل پر زور دیتا ہے۔ ''جاوید نامہ'' میں علامہ اسی لیے تو فرماتے ہیں:

مکتب و مُلا اسرار کتاب کورِ مادر زاد نور آفتاب

دینِ کافر فکر و تدبیر و جہاد دینِ مُلا فی سبیل اللہ فساد

علامہ اقبال کے نزدیک اسلام میں انسانی اتحاد کی بنیاد مادّی، نسلی اور جغرافیائی حدود کے بجائے روحانی ہے۔ اسلامی تہذیب عقیدۂ توحید پر استوار ہے اور عقیدۂ توحید تو پوری انسانیت کو اللہ کی غلامی میں لاتا ہے۔ یہی روحانی بنیاد بھی فراہم کرتا ہے۔ لٰہذا علامہ کے نزدیک عقیدۂ توحید پر عمل پیرا ہونا عین فطرتِ انسانی ہے۔ اللہ سے وفاداری گویا انسان کی اپنی ہی مثالی فطرت سے وفاداری ہے۔ اسلام نے حقائق کے نصب العین پر مبنی جو معاشرہ تشکیل دیا اس میں کاروبارِ زندگی میں دوام وتغیر کے مطالبات کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہوئی اور دونوں کے تقاضے پورے ہوئے۔ اس نظام میں اجتماعی زندگی کے لیے ابدی اصول تشکیل دیے گئے ہیں، جو پیہم تغیر پذیر کائنات میں قدم جمانے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ لیکن جب یہی ابدی اصول تغیر کے تمام امکانات کو خارج کر دیں تو آیاتِ الٰہی بھی جس کائنات کو متحرک قرار دیتی ہیں لازماً جمود سے ہم کنار ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں یورپ کے سیاسی واجتماعی علوم کی ناکامی سے قطع نظر پچھلے پانچ سو سال سے مسلم سوسائٹی بھی جمود کی شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ اس جمود کو دور کرنے کے لیے اسلام کی ساخت میں حرکت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اصول کارفرما ہے۔ اسلامی اصولِ فقہ میں اسی کا نام اجتہاد ہے۔ ۱۱

علامہ اقبالؒ اس قرآنی آیت سے اجتہاد کے حق میں استدلال کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا العنکبوت-۶۹ (جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد یا مشقت سے کام لیں انہیں ہم ضرور اپنی راہیں دکھائیں گے)۔

آیت مذکورہ کا موقع و محل کچھ بھی ہو مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اجتہاد دینی فکر کی راہ میں زبردست مشقت ہی کا نام ہے۔ اس لیے مجتہد اللہ کی رہنمائی سے قطعاً محروم نہیں رہ سکتا۔ اقبالؒ اس مشہور مکالمے کا بھی تذکرہ کرتے ہیں جو حضور ﷺ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے مابین ہوا تھا۔ حضرت معاذؓ کے جواب کا نچوڑ (اجتہاد کے بارے میں) یہی تھا کہ اگر کسی امر کا فیصلہ کرنے میں انھیں قرآن و سنت سے رہ نمائی میسر نہ آئے تو پھر وہ خود اپنی رائے سے کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کے اس جواب کی تحسین فرمائی تھی۔ ۱۲

درحقیقت شریعت اسلامی کی روشنی میں استنباطِ احکام کی روح فقہ میں بھی کارفرما ہے اور اجتہاد میں بھی۔ حضرت معاذؓ بن جبل کے پیشِ نظر کوئی فقہ نہ تھی جس میں وہ اجتہاد کرتے، لہٰذا اُن کا عمل فقہ بھی تھا اور اجتہاد بھی۔ علامہ کے نزدیک عہدِ حاضر میں اجتہادِ مطلق (Absolute Ijtihad) وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ آپ کے خیال کے مطابق علمائے اہل سنت والجماعت اصول اور نظریے کے طور پر اس امر کے قائل ہیں کہ اجتہاد ہونا چاہیے، مگر عملاً انھوں نے اس پر ایسی شرائط عائد کردی ہیں جن کا پورا کرنا اس دور میں محال ہے۔

ان کے نزدیک الگ الگ مکتبۂ فکر (Different school of thoughts) کے معنی جمود نہیں ہونا چاہیے۔ فقہی مکاتب (Legal school of thoughts) جب اپنی اپنی جگہ پر منظم ہوگئے اور متعین صورت اختیار کر گئے تو یہ بھی ایک طرح سے اجتہاد کی راہ میں رکاوٹ بنتے چلے گئے۔ ویسے بھی روحانی قویٰ کے دورِ اضمحلال میں ولولۂ کار اور ذوقِ جستجو کم زور پڑ جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلک یا مذہب (Schools of thought) کے سربراہ تقدس مآب ٹھہرائے جانے لگتے ہیں۔ ۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبالؒ کے نزدیک عہد حاضر بھی اسی دور کی عکاسی کرتا ہے۔ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں یا قوانینِ اسلام پر غور و فکر کر رہے ہیں۔ مگر ان ممالک میں بھی امروز و فردا یہ سوال (مسئلہ اجتہاد) پیدا ہونے والا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانے کے میلان طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ہندوستان میں بعض طبقے اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔ میری ناقص رائے میں مذہب اسلامی گویا زمانے کی کسوٹی پر پرکھا جارہا ہے اور شاید تاریخ اسلامی میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا''۔[۱۴]

اپنی شہرۂ آفاق تصنیف 'فکر اسلامی کی تشکیل جدید' (Reconstruction) میں علامہ مسئلہ اجتہاد پر مدلل عالمانہ بحث و تمحیص کرتے ہوئے یہی حقیقت واضح کرتے ہیں کہ اپنے عہدِ عروج میں امتِ اسلامیہ کے اکابر کا ذہن نہایت متحرک اور فعّال تھا۔ وہ پوری آزادیٔ فکر کے ساتھ زندگی کے ہر مسئلے کا حل تلاش کرتے تھے اور کائنات کے اسرار کھولنے میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ تمام امت مسلمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَـأْن'' (ہر آن نئی شان) جلوہ گر تھی۔ اقبال کے نزدیک اسلام کا یہ حرکی عمل قانون کے دائرے میں بہت نمایاں ہے۔ اس معاملے میں جو اختلافات رونما ہوئے انہیں ایک مغربی دانش ور پروفیسر ہرگرونجے (Prof. Hurgronje) کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں:

''مسلم ماہرین قانون (فقہاء) ایک تو آپس میں اتنا شدید اختلاف کرتے ہیں کہ معاصرین ایک دوسرے پر الحاد کا الزام لگاتے نظر آتے ہیں، جب کہ دوسری طرف ان کے جانشین اپنے پیش رووں کے مختلف افکار میں تطبیق کر کے ایک وحدتِ مقصد کا سامان مہیا کرتے ہیں''۔ فقہ اسلامی کا عظیم الشان سرمایہ اسلامی ذہن کے نہایت فعّال اور متحرک ہونے کی سب سے بڑی شہادت پیش کرتا ہے۔ فقہ اسلامی کے حرکی اور فعالیت کے متعلق مستقبل قریب میں اقبال یہی امید رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"I have no doubt a deeper study of the enormous legal literature of Islam is sure to rid the modern critic of the superficial opinion that the law of Islam is stationary and incapable of development."۱۵

مگر برصغیر کے قدامت پسند فقہاء کے بارے میں اقبالؔ شکوہ سنج ہیں کہ اگر تشکیل فقہ جدید کی کوششیں کی جائیں تو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ علمائے متقدمین کی طرح علامہ اقبالؒ بھی اجتہاد کے چار بنیادی مآخذ: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ قرآن کو اسلامی آئین سازی کا اولین سرچشمہ مانتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ یہ کلیتاً قواعد وضوابط یعنی Code of conduct کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان میں اس تعلق کا اعلیٰ و افضل شعور پیدا ہو جائے جو اسے اللہ اور کائنات سے جوڑے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن میں بنیادی توحیدی عقائد اور نظریات کے علاوہ عام عائلی مسائل کے قواعد وضوابط بھی بتا دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن اسلامی نظریۂ زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ دراصل مذہب اور سیاست، اخلاق اور سیاست کو یکجا کر کے قرآن اسلامی فلاحی ریاست اور نظام معاشرت قائم کرنے میں رہ نمائی کرتا ہے۔

اسلامی آئین سازی کا دوسرا منبع احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں۔ علامہ کے خیال میں اس معاملہ میں قانونی حیثیت رکھنے والی حدیثوں کو غیر قانونی احادیث سے ممیّز کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

''جہاں تک مسئلۂ اجتہاد کا تعلق ہے ہمیں چاہیے کہ ان احادیث کو جن کی حیثیت سر تا سر قانونی ہے، ان احادیث سے الگ رکھیں جن کا قانون سے کوئی تعلق نہیں''۔ ۱۶

امام ابوحنیفہؒ کی فقہی کاوشوں کی زبردست تعریف کرتے ہوئے اقبالؔ کہتے ہیں کہ انھوں نے (یعنی ابوحنیفہؒ نے) فقہی احادیث سے کم سے کم کام لیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ بھی فقہ کے ارتقاء کی ایک صورت ہے۔ اقبال منکر حدیث نہیں تھے۔ ان کے نزدیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارتقائے فقہ کے ضمن میں احادیث رسول ﷺ کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ حدیث کی افادیت وصحت کے بارے میں وہ محتاط نظر آتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ امام شافعیؒ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب میں کوئی بات کہوں یا کسی قاعدہ کو قائم کروں اور اس کے بعد میرے قول کے مخالف، رسول ﷺ سے کوئی حدیث معلوم ہو جائے تو اس وقت آنحضرت ﷺ کا قول ہی معتبر ہوگا''۔ ۱۷

یہ اس بات کا اظہار ہے کہ اختلافی امور میں حدیث کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوگی۔

اجماع کے وسیع وعریض موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں:

''فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجماع ہے اور میرے نزدیک اسلام کے قانونی تصورات میں سب سے اہم ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس نہایت اہم تصور پر گرچہ صدر اسلام میں نظری اعتبار سے خوب بحثیں ہوتی رہیں، لیکن عملاً اس کی حیثیت ایک خیال سے آگے نہیں بڑھی''۔ ۱۸

علامہ اقبال یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صدر اسلام میں اہل اصول نے بڑے بڑے مسائل حل کیے ہیں، مگر عملاً یہ بحث وتمحیص مستقل شوریٰ میں تبدیل نہ ہوئی۔ اس کی خاص وجہ اقبالؔ یہی گردانتے ہیں کہ سلطنت اسلامیہ کی وسعت کے ساتھ مطلق العنان حکومتیں ظہور پذیر ہوئیں اور یہ حکومتیں ان مسائل ومباحث کو اپنے مفاد کے منافی سمجھتی تھیں۔ اسی لیے وہ بنو عباس خلفاء کی مشاورتی مجلسوں پر مجتہدین کو ترجیح دیتے ہیں۔ عہدِ حاضر میں اقبالؒ اس بات سے خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں اب قانون ساز ادارے اور جمہوریت پنپ رہی ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''بلاد اسلامیہ میں جمہوری روح کا نشو ونما اور قانون ساز مجالس کا بتدریج قیام ایک بڑا اترقی زا اقدم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذاہب اربعہ کے نمائندے جو سر دست فرداً فرداً اجتہاد کا حق رکھتے ہیں اپنا یہ حق مجالس تشریعی کو منتقل کر دیں''۔ ۱۹

علامہ کے نزدیک مجالس تشریعی کے ذریعے حاصل ہونے والا اجماع لائق ترجیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ان کی رائے میں ایسے افراد جو زندگی کے مختلف شعبوں میں تجربہ کار ہوں، وہ بھی اس معاملے میں معاون بن سکتے ہیں۔

اسلامی فقہ کی چوتھی اساس قیاس ہے۔ اقبال کے نزدیک قیاس کے معنٰی ہیں قانون سازی میں مماثلتوں کی بنیاد پر استدلال سے کام لینا۔ سلطنت اسلامیہ کی وسعت سے جب مختلف معاشی و معاشرتی مسائل پیدا ہو گئے تو ان حالات میں جب امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے فقیہوں کو احادیث کی روایات سے کوئی رہ نمائی نہیں ملتی تھی تو انھوں نے پھر ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ذاتی قیاس اور منطق سے کام لینا شروع کیا اور اس طرح انھوں نے اپنے اپنے رواج و ادوار کے بدلتے ہوئے رجحانات کو ملحوظ نظر رکھ کر قوانین اسلامی کی تشریح و توضیح میں ذاتی رائے کو استعمال کیا۔

علامہ اقبالؒ نے اجماع اور قیاس دونوں کی تشکیل نو پیش کی ہے۔ اجماع کو آپ نے مصدر کی بجائے طریقۂ اجتہاد اور اصول کے طور پر پیش کیا ہے۔ آپ محدود عرصے کے لیے علماء اور دور حاضر کے دانش ور حضرات کا باضابطہ بورڈ تشکیل دینے کے حق میں ہیں جو براہ راست دینی مسائل و معاملات سے تعلق رکھنے والے امور پر صلاح و مشورے سے رائے زنی کریں۔ اقبال کے اس ''اجتماعی اجتہاد'' کی تائید عالم اسلام کے ایک جید فقہی عالم استاذ ابو زہرہ کے علاوہ شیخ عبد الوہاب خلاف، شیخ محمد شلتوت، شیخ مصطفیٰ الزرقا اور ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ وغیرہ نے بھی کھل کر کی ہے۔

فکر اقبال کی ان مختلف جہات کے مختصر تذکرے سے اجتہاد کی اہمیت صراحت کے ساتھ ابھر کر سامنے آئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۰۴ء سے لے کر اپنے انتقال تک اجتہاد علامہ اقبال کی زبردست دل چسپی کا مرکز رہا ہے۔ اجتہاد کے معاملے میں آپ نے جس وسعت نظر کا مظاہرہ کر کے فقہ اسلامی میں قرآن و سنت کی حدود میں رہتے ہوئے جو انقلابی تعبیریں پیش کیں ہیں، اگر عہد حاضر کے علماء دین اور دانش ور حضرات اُن کے اِن استدلالات سے اتفاق کریں تو یقیناً روشن مستقبل کے لیے فکر اسلامی کی تشکیل جدید کے لیے نئی راہیں کھل سکتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

۱۔ سید محمد عبداللہ ''اسلامی فقہ کی تدوین نو، علامہ اقبال کی نظر میں''
(مشمولہ) ''خطبات بیاد اقبال'' جامعہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۱۶

۲۔ عبدالواحد معینی ''مقالاتِ اقبال'' شیخ محمد اشرف لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۵۶۔

۳۔ اقبال ''قومی زندگی''، مجلّہ ''مخزن'' اکتوبر ۱۹۰۴ء، ص ۵۶

۴۔ S.A. Whahid "Iqbal, Islam as moral and political ideal." (Ref. from Hindustan Review, Vol xx, July-Decemter 1909, P.54)

۵۔ L.A. Latif, speeches, writings and statements of Iqbal, Lahore, 1974, pp.107-120.

۶۔ ڈاکٹر جاوید اقبال ''زندہ رود'' جلد سوم، شیخ غلام اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز لاہور، ص ۳۴۲

۷۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کا خط بنام راقم، مورخہ ۲۳ فروری ۲۰۰۱ء

۸۔ ڈاکٹر جاوید اقبال (مقالہ) ''اقبال اور عصر جدید میں اسلامی ریاست کا تصور'' مشمولہ ''اقبال، فکر اسلامی کی تشکیل جدید'' ڈاکٹر حسین محمد جعفر، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، ص ۷۵۔

۹۔ خطبات اقبال-انگریزی (The Reconstruction of religious thought in Islam) ص ۱۲۶۔

۱۰۔ ملاحظہ ہو خطبات کا چھٹا لیکچر، ص ۱۵۳

۱۱۔ ملاحظہ ہو خطبات کا چھٹا لکچر، ص ۱۵۴

۱۲۔ ملاحظہ ہو خطبات کا چھٹا لکچر، ص ۱۵۶

۱۳۔ ملاحظہ ہو خطبات کا چھٹا لکچر، ص ۱۶۰

۱۴۔ ملاحظہ ہو خطبات کا چھٹا لکچر، ص ۱۶۰

۱۵۔ شیخ عطاء اللہ ''اقبال نامہ''، لاہور، ص ۴۶-۵۱

۱۶۔ خطبات، ص ۱۷۲

۱۷۔ خطبات، ص ۱۷۳

۱۸۔ خطبات، ص ۱۷۷

۱۹۔ خطبات، ص ۱۷۸

© rasailojaraid.com